

اخلاقیات

(ETHICS)

گیارہویں اور بارہویں جماعت کے لیے



پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

فہرست

باب	عنوان	صفحہ نمبر	باب	عنوان	صفحہ نمبر
پہلا باب:	مذہب کا تعارف	01	چوتھا باب:	آداب	53
•	مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم	01	•	کام کی جگہ کے آداب	53
•	مذہب پر معاشرے کے اثرات	08	•	انتظامیہ	54
•	وحدتِ ادیان کا تصور	12	•	ماتحتِ عملہ	54
•	مذہب اور سائنس	15	•	خدمتِ گار	55
دوسرا باب:	پاکستان میں مختلف مذاہب	20	•	ملاقاتی	56
•	اسلام	20	پانچواں باب:	مشاہیر	59
•	مسیحیت	26	•	نیلسن منڈیلا	59
•	ہندو دھرم	30	•	عبدالستار ایدھی	64
•	زرشتیت	35	•	مدرثریا—مادر مہرباں	68
•	سکھ مذہب	39	•	ڈاکٹر محمد یونس—پیماری و غربت کا سیما	72
تیسرا باب:	اخلاقی اقدار	43	•	نجیب محفوظ—عرب دنیا کا عظیم ناول نگار	76
•	اجتماعی عدل اور مساوات	43	•	جشنید نسر وان جی مہتا—دریادِ خدمت گار	80
•	معاشرتی ادارے	46	فرہنگ	84	
•	کام کی جگہ پر وقت اور پابندیِ وقت کی اہمیت	50	نصابِ اخلاقیات	کلاس گیارھویں	89
			نصابِ اخلاقیات	کلاس بارھویں	90

پیش لفظ

خدا تعالیٰ نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات بنایا بلکہ حقائق کے ادراک کے لیے فہم و دانش عطا کی جس کی بنیاد پر وہ سمجھتا ہے کہ اچھے اخلاق ہی انسانیت کا بنیادی جوہر ہیں۔ اگر انسان میں اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جائیں تو وہ انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے اور ساری عقل و نبیث اور مادی ترقی کے باوجود وہ حیوان سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تعلیم کا ایک بنیادی کردار انسان کو زیور اخلاق سے آراستہ کرنا قرار پایا ہے۔

عمومی تعلیم جہاں انسان کی کردار سازی پر زور دیتی ہے وہاں اخلاقیات کے مقاصد تعلیم میں مذاہب کی بنیادی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ سماجی زندگی میں طلبہ کو مذاہب کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو، اور مشاہیر کو شامل نصاب کرنے کا مقصد طلبہ کو مثالی نمونے مہیا کرنا ہے۔ اسی طرح تدریس اخلاقیات کا ایک مقصد یہ ہے کہ طلبہ کی تعلیم و تربیت کے دوران میں ان کا رشتہ ابدی اقدار سے جوڑ دیا جائے۔ تاکہ ابتدا ہی میں دیانت داری، سچائی، حکمت، عفت، شجاعت اور خدمتِ خلق کے لیے درِ دل جیسی صفات پیدا ہو جائیں۔ یہ اخلاقی اقدار جہاں فرد کی شخصیت میں نکھار پیدا کرتی ہیں وہاں معاشرے کو ٹھوس بنیادیں فراہم کرتی ہیں۔

انسانی زندگی میں مذاہب کا کردار ہمیشہ سے اہم رہا ہے۔ الہامی مذاہب میں تو خدائے بزرگ و برتر نے انسان کو نہ صرف رشد و ہدایت، نجات اور زندگی بسر کرنے کے سلیقے اور جینے مرنے کے طور طریقے بتائے بلکہ اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے ذریعے عملی نمونے بھی پیش کیے۔ غیر الہامی مذاہب کے بانیوں اور اصلاح کاروں نے اخلاقی اقدار کے ذریعے سے انسان کو بدلنا چاہا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مذاہب تمام اخلاقی اقدار کے مآخذ ہیں اور ان اقدار کی ترویج کا ذریعہ بھی۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں مذاہب نے انسان کی اخلاقی تربیت کی ہے اور انسان کو روحانی سہارا بھی دیا ہے۔ اس سے جہاں معاشرے پر سکون اور پُرامن رہے وہاں انسان کو عظمت، عزت اور وقار بھی نصیب ہوا۔ حقیقت میں وہ تمام روایات، رسوم اور اقدار جو سلامتی کے راستے کی طرف لے جاتی ہیں ان سب کا سرچشمہ مذاہب ہیں۔ وہ تمام نیک لوگ جو انسانیت کے لیے درِ دل رکھتے ہیں اور ہمیشہ خدمتِ خلق میں پیش پیش رہتے ہیں وہ سب کی نہ کسی مذہب کے پیروکار ہوتے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے، جس میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ لیکن ہندو، مسیحی، سکھ، پارسی اور دیگر مذہبی اقلیتیں بھی موجود ہیں۔ ان اقلیتوں میں ہندو اور مسیحی قریب قریب ایک جیسی تعداد میں ہیں اور یہ دونوں بڑی اقلیتیں ہیں جب کہ سکھ مذہب کے پیروکار ان سے کم ہیں۔ تشکیل پاکستان سے لے کر اب تک یہ اقلیتیں پاکستان کے پُرامن شہری ہیں اور انہیں آئینی طور پر مذہبی آزادی حاصل ہے۔

عالمی مذاہب وہ سرچشمہ فیض ہیں جن سے عالم انسانیت نے روحانی پیاس بجھائی ہے۔ یہ نئی نوع انسان کے اتحاد، باہمی یگانگت اور ہم آہنگی کا ذریعہ بھی ہیں۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ اور مذاہب ان کو یک جا کرتے ہیں۔ بھارت کے فلسفی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے کہا

تھا کہ جو انسانوں کو جوڑے وہ دھرم ہے اور جو توڑے وہ ادھرم ہے۔ مذاہب فطرت کے قریب، بلکہ بعض مذاہب سراسر فطرت ہیں۔ یہ انسان کو محبت، رواداری اور یگانگت کا درس دیتے ہیں۔

مذاہب ہمسائیوں، مسافروں، نادار، مسکینوں اور دیگر ضرورت مندوں کے حقوق کا خیال رکھنے پر زور دیتے ہیں۔ وہ مریض کی عیادت کو عبادت اور خدمتِ خلق کو بلند درجہ اخلاقی فرض کی تکمیل قرار دیتے ہیں۔ اس طرح یہ مذاہب انسانوں کے اتحاد اور ہم آہنگی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

اخلاقیات کی اس کتاب میں ایسا مواد شامل نصاب کیا گیا ہے جو نہ صرف اخلاقیات بلکہ تعلیم کے مقاصد کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ مذاہب کی ترویج و ترقی میں معاشرے کا کردار کیا ہوتا ہے اور مذاہب کس طرح معاشرے میں مثبت تبدیلیوں کے لیے پیش رفت کرتے ہیں۔ اسی طرح اجتماعی عدل اور مساوات کے لیے سماجی اداروں کی کارکردگی، وحدتِ ادیان کے تصورات اور سائنس اور مذاہب جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔

کتاب میں بڑے بڑے مذاہب کے اعتقادات اور ان کی تعلیمات کی تفصیلات بتائی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ کے بعد طلبہ اندازہ کر سکیں گے کہ بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے مذاہب نے کیا کردار ادا کیا ہے اور یہ کہ تمام مذاہب انسان کو نہ صرف اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں بلکہ اس کی تربیت بھی کرتے ہیں۔

عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی ہم میں سے ہر ایک کو معاشرے کے دیگر افراد سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اچھے رویے بہتر تعلقات کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ کتاب میں بتایا گیا ہے کہ رواداری، حسنِ اخلاق اور مہذب ہونے کے لیے ہمیں کن آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح کتاب میں ایسے مشاہیر کی زندگی اور فکر کا ذکر کیا گیا ہے جو آزادی، خودداری، دردمندی اور خدمتِ خلق کے سلسلے میں ہمارے لیے قابلِ تقلید ہیں۔ ان میں نپلسن منڈیلا، عبدالستار ایدھی، مدرثریا، ڈاکٹر محمد یونس، نجیب محفوظ اور جمشید نسر وائ جیسی شخصیات کو شامل ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا 1973ء کا آئین تمام سیاسی جماعتوں نے اتفاق رائے سے منظور کیا، چنانچہ یہ اپنی تخلیق ہی سے ہمارے باہمی اتحاد اور یک جہتی کا مظہر ہے۔ اس میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کی مذہبی سرگرمیوں کی آزادی کی ضمانت موجود ہے۔ اس لیے آئین سے اخوت، بھائی چارے اور باہمی اخلاص و محبت کو فروغ ملا۔

تفکیک پاکستان کے دوران میں اور 14 اگست 1947ء کے بعد بھی قائد اعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریروں میں عوام کے باہمی اتحاد پر زور دیا۔ انہوں نے ہمیشہ اقلیتوں کے حقوق کا نہ صرف خیال رکھا، بلکہ علی الاعلان کہا کہ پاکستان میں اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی ہو گی۔ 4 جولائی 1947ء کو انہوں نے نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں فرمایا: ”پاکستان میں اقلیتوں کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی، خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کا مذہب، عقیدہ اور ایمان پاکستان میں بالکل محفوظ اور سلامت رہے گا۔ وہ بلا لحاظ رنگ و نسل ہر اعتبار سے پاکستان کے شہری ہوں گے۔“ اسی طرح انہوں نے 11 اگست 1947ء کو ایک تقریر میں انہی باتوں کا اعادہ کیا۔

پاکستان کی ترقی، خوش حالی اور باوقار قوموں کی صف میں کھڑا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ یہ ملک اندرونی طور پر، پُر امن اور متحد ہو اور ملک کے تمام باشندے خواہ ان کا تعلق اکثریت سے ہو یا اقلیت سے وہ یکسو ہو کر باہمی اتحاد اور یگانگت سے اس کی ترقی کے لیے کام کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے روشن مستقبل کے لیے مذہبی ہم آہنگی بہت ضروری ہے۔ رواداری، برداشت، محبت و یگانگت اور دوسروں کے مذہب کا احترام انسانیت کا زیور بھی ہیں اور ملکی ترقی و خوش حالی کی ضمانت بھی۔

مصنفین

مذہب کا تعارف

مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم

اکیسویں صدی کے آتے آتے ترقی کی رفتار تیز ہو گئی ہے اور ایسی معلومات، خبریں اور اطلاعات جن کے عام ہونے میں ہفتے، مہینے اور سال لگتے تھے اب وہ لمحوں میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے، کہ دنیا بھر کے لوگ ایک دوسرے کے قریب آ گئے ہیں اور ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھنے لگے ہیں۔ پہلے دنیا کے کسی خاص خطے، ملک یا قوم کو جن مسائل کا سامنا ہوتا تھا وہ ان سے خود ہی نمٹ لیتے اور دوسروں کو کانوں کان خبر نہ ہوا پاتی تھی۔ اب یہ سیاسی سماجی اور معاشی مسائل کسی خاص علاقے، قوم یا خطے کی بجائے عالمی برادری کے مسائل بن گئے ہیں اور ان مسائل کو سمجھنا اور ان کا حل تلاش کرنا قدرے آسان ہو گیا ہے۔ اسی طرح پہلے دوسرے مذاہب کے بارے میں لوگ کم معلومات رکھتے تھے اب انسان مذاہب کو بہتر طور پر سمجھنے لگا ہے۔ اس طرح ان کی سماجی حیثیت جاننے اور ان کی فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم کے نئے رجحانات پیدا ہو رہے ہیں۔

مذہب کے لغوی معنی راستہ اور طریقہ کے ہیں۔ یہ مذاہب حق کی تلاش، اپنی ذات کی پہچان اور وصال الہی کی منزل تک پہنچنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ مذہب ہم سب کو رواداری، محبت اور اتحاد کا درس دیتے ہیں۔ مذاہب کی تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب نے انسانی معاشرت سنوارنے اور اخلاقی قدریں ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ انسان کی نجی اور اجتماعی زندگی پر کسی اور عنصر نے اتنے گہرے اثرات مرتب نہیں کیے جتنے مذاہب نے کیے ہیں۔

مذاہب انسانی فطرت کا حصہ ہیں۔ ہم لاکھ انکار کریں یا اس سے دوری اختیار کریں۔ لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ مذاہب نے انسانی زندگی پر مثبت اثرات مرتب کیے ہیں۔ یہ زندگی میں نظم اور ترتیب پیدا کرتے ہیں۔ مذہب ہماری معاشرتی زندگی کا ایسا ناگزیر عنصر ہے کہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں یہ فلسفے، علم الانسان، سماجیات اور نفسیات کا موضوع رہا ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مذہب کو محض ایک سماجی ادارے کے طور پر نہ دیکھیں بلکہ اس کی برتر حیثیت کو بھی تسلیم کریں۔

قدیم دور میں مذہب کے مطالعہ کا طریقہ آج کل کے دور سے مختلف تھا اور اسے پہلے سے طے شدہ نظریوں پر پرکھا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معلومات کی بہم رسانی کے ذرائع کم ہونے کی وجہ سے مختلف مذاہب کے اثرات چند علاقوں تک محدود رہتے تھے۔ اہل یورپ کو سیاحت، تجارت اور توسیع پسندی کے لیے جب دوسری قوموں سے واسطہ پڑا تو مذاہب کے بارے میں بھی تحقیق کا دائرہ وسیع ہوا۔

قدیم مذاہب کے بارے میں کئی صدیوں سے بہت کچھ لکھا جا رہا ہے، لیکن علم بشریات اور سماجیات کے ماہرین کے ہاں معلومات،

حقائق اور ثبوت ناکافی ہیں اس لیے مذاہب پر تحقیق کرنے والے کسی ایک نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے۔ البتہ آسمانی مذاہب کو سمجھنا آسان ہے، کہ خدائے برتر نے مقدس کتابوں، الہی صحیفوں اور اپنے نیک بندوں کے ذریعے انسان کو سیدھی راہ دکھائی ہے۔ ان الہامی یا آسمانی مذاہب کو ماننے والوں کی تعداد اربوں میں ہے۔ ان مذاہب میں ایک داخلی ربط موجود ہے۔ روحانی تجربہ سب میں قدر مشترک ہے۔

انیسویں صدی کے آخری عشروں میں عمرانیات، نفسیات اور علم بشریات سے دلچسپی رکھنے والے جن ماہرین نے مذاہب پر تحقیق کی ان میں ای بی ٹائیلر، جیمز فریزر، سگمنڈ فرائیڈ اور روڈلف اوٹو زیادہ معروف ہیں۔ اب ہم مختصر ان کے نظریات اور افکار کا جائزہ لیتے ہیں۔

سرایڈورڈ برنٹ ٹائیلر

سرایڈورڈ برنٹ ٹائیلر (Sir Edward Burnett Tylor) (2 اکتوبر 1832-2 جون 1917ء) برطانیہ کے پہلے ماہر علم البشر (Anthropologist) ہیں۔ ان کے والدین کا تعلق ایک مسیحی فرقے کوئکر (Quaker) سے تھا۔ اس فرقے کے پیرو اسن پسند اور صلح جو تھے جو روایتی رسوم اور عقائد سے کنارہ کش رہتے۔ سولہ سال کی عمر میں انھوں نے سکول کی تعلیم مکمل کر کے باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ کوئکر فرقے کا پیرو ہونے کی وجہ سے انھیں اعلیٰ تعلیم کے لیے، یونیورسٹی میں داخلہ نہیں مل سکا تھا۔ 23 سال کی عمر میں وہ تپ دق کے مرض کا شکار ہو گئے اور انھیں علاج کے لیے امریکا جانا پڑا۔ ہوانا (کیوبا کا صدر مقام) میں ایک بس میں سفر کے دوران ان کی ملاقات ایک شخص ہنری کرسٹی (Henry Christy) سے ہو گئی۔ کرسٹی بھی کوئکر فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس اتفاق ملاقات سے ان کی زندگی کا رخ بدل گیا۔ دراصل کرسٹی آثار قدیمہ اور نسلیات کا ماہر تھا۔ وہ میکسیکو کے قدیم ٹولٹک ثقافت (Toltec Culture) پر تحقیق کرنے میکسیکو جا رہا تھا۔ ٹولٹک میکسیکو کے قدیم حکمران تھے، اور انھوں نے ایک خاص تحریک کو پروان چڑھایا تھا۔ کرسٹی نے ٹائیلر کو بھی تحقیق پر آمادہ کر لیا اور وہ اگلے چھ ماہ اسی تحقیق پر لگے رہے۔ اب ٹائیلر کی زندگی کا رخ متعین ہو گیا اور وہ چھ ماہ بعد لندن لوٹ آئے۔

ٹائیلر نے انسان کی تہذیبی تبدیلیوں کو موضوع بنایا ہے۔ ان کے مطابق انسانی خصوصیات ترقی کرتی رہی ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلیاں آئی ہیں۔ غاروں میں رہنے والے انسان سے لے کر آج کے جدید انسان تک جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کی کڑیاں مکمل طور پر غائب نہیں ہوئیں۔ یعنی یہ تبدیلیاں اور تہذیبی ترقی ان کی پہلی تصنیف کا موضوع ہیں۔ انہوں نے تحقیق جاری رکھی اور 1871ء میں ان کی دوسری تصنیف قدیم ثقافت (Primitive Culture) شائع ہوئی۔ یہ کتاب اگرچہ پہلے سلسلے کی کڑی ہے لیکن یہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں انہوں نے مذہب کے ارتقا کے بارے میں اپنا نظریہ روح پرستی (Animism) پیش کیا۔

اگرچہ مذہب کی ابتدا اور اس کی حقیقت کے بارے میں گزشتہ دو ہزار سال میں بہت سے نظریے پیش کیے گئے لیکن ان میں ٹائیلر نے مذہب کی ابتدائی شکل کے بارے میں سائنسی انداز میں بات کی ہے۔ ٹائیلر نے مذہب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ”مذہب ماورائی قوتوں پر اعتماد کا نام ہے“۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ مذہب کا تصور انسان کے روجوں پر اعتقاد سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص خواب میں ایسے رشتہ داروں سے ملتا اور بات چیت کرتا ہے جو مر چکے ہوتے ہیں یا زندہ تو ہیں لیکن دور دراز رہتے ہیں تو وہ روح کے وجود کا قائل ہو جاتا ہے۔ وہ خواب کو دواہم نہیں سمجھتا بلکہ حقیقت تصور کرتا ہے اور روح کے وجود پر اس کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔

قدیم انسان نے خوابوں سے یہ سیکھا ہے کہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے اور یہ روح کا تصور ہی ایسی مزم (روح پرستی) کی جان ہے۔ اگر نیند لہی ہو جائے تو روح بدن کے قالب میں واپس نہیں آتی اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس طرح بدن تو بیکار ہو جاتا ہے مگر روح زندہ رہتی ہے۔ ٹائیلر اپنے مذہبی تصورات کو آفاقی قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ تصورات وحشی انسان کے زمانے میں ابھرے اور آج کے جدید دور میں بھی موجود ہیں۔ ٹائیلر کے ان نظریات کی تصدیق ان کے ہم عصر مفکرین نے کی۔ خاص طور پر ڈارون نے اس نظریے کو بہت سراہا ہے۔

سر جیمز جارج فریزر

سر جیمز جارج فریزر (Sir James George Frazer) (یکم جنوری 1854ء - 7 مئی 1941ء) برطانیہ کے ممتاز دانشور، علم الانسان کے ماہر اور مذہبی تاریخ کے محقق تھے۔ وہ ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے گلاسکو یونیورسٹی اور ٹری نیٹی (Trinity) کالج کیسبرج سے تعلیم حاصل کی۔ انہیں دورانِ تعلیم قدامت پرستی (Classic) سے دلچسپی رہی۔ وہ ساٹھ برس تک ٹری نیٹی کے رفیق (Fellow) بھی رہے۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ دنیا نہ بدلنے والے قدرتی قوانین کے تحت چل رہی ہے۔

ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے عقائد کے مطابق ماورائی طاقتوں پر یقین رکھتا ہے اور اس یقین (ایمان) کے مطابق وہ عمل کرتا ہے۔ جارج فریزر کے مطابق جادو اس ترقی کے زینے پر پہلا قدم ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ پرانے زمانے میں جس چیز کے جو جو پہلو نہ سمجھے جاسکتے تھے اسے جادو کا نام دے دیا جاتا تھا۔ انہوں نے مذہب کے بارے میں کہا تھا کہ مذہب کے کچھ پہلو نظر نہیں آتے اور اس طرح مذہب نے جادو کی جگہ لے لی ہے۔ لوگوں کو جب تک معلوم نہ تھا کہ ایک بیج سے درخت کیسے بنتا ہے وہ اسے جادو سمجھتے تھے جب کہ مذہب اسے خدا کی قدرت قرار دیتا ہے۔ اسی طرح اب سائنس کے کرشمے جادو لگتے ہیں۔ فریزر کے نظریات کے مطابق جادو، مذہب اور سائنس کی کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔

فریزر کے بقول مافوق الفطرت قوتوں پر یقین رکھنے سے دو قسم کے روپے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان قوتوں کو برتر قوت تسلیم کر لیتا ہے، ایسا کرنے سے وہ عاجزی اختیار کرتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی فلاح ان طاقتوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس طرح وہ منت، قربانی اور نذر و نیاز کے ذریعے ان طاقتوں کو راضی رکھنا چاہتا ہے۔ یہ سب مذہب کے دائرے میں آتا ہے اور دوسرا رویہ یہ ہے کہ وہ ان طاقتوں کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔ یہ کچھ مذہب کی بجائے جادو کے دائرے میں آتا ہے۔

فریزر نے مذہبی تاریخ میں بھی نمایاں کام کیا۔ اس سلسلے میں ان کی دو کتابیں قابل ذکر ہیں لیکن ان کی تصنیف گولڈن بوہ (Golden Bough) کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ وہ جدید ثقافت کا بنیادی حصہ ہے۔ یہ کتاب شاخ زریں کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں اردو میں شائع ہو چکی ہے۔

سگمنڈ فرائیڈ

سگمنڈ فرائیڈ (Sigmund Freud) (6 مئی 1856ء - 23 ستمبر 1939ء) جرمنی میں پیدا ہوئے لیکن ابھی چار سال ہی کے تھے کہ ان کا خاندان وی آنا (آسٹریا) منتقل ہو گیا۔ وی آنا یونیورسٹی سے انہوں نے طب کی ڈگری حاصل کی، انہوں نے یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران قدیم اور جدید علوم کا خوب مطالعہ کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے ایک معالج جوزف برائر کے ساتھ مل کر نفسیاتی الجھنوں کے مریضوں (Hysteria Patients) کا علاج شروع کیا۔ انہوں نے مشاہدہ کیا کہ ہسٹریا کے مریضوں کو بھڑاس نکالنے دی جائے تو یہ مرض دور ہو جاتا ہے۔ انہوں نے ان مریضوں کے خوابوں کو بھی اہمیت دی۔ فرائیڈ کا خیال ہے کہ خواب اور ہسٹریا دونوں خوف کے ذریعے پیدا ہونے والے خیالات اور احساسات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

فرائیڈ کے مذہبی تصورات کے جائزے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ انہوں نے اعصابی امراض کے شعبے میں کام کیا۔ تلیل نفسی ان کا ذریعہ علاج بھی تھا اور انسانی باطن میں چھپے ہوئے پوشیدہ حقائق کو جاننے کا ذریعہ بھی۔ انہوں نے شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا اور حاصل شدہ معلومات اور تجربات کا اطلاق پوری انسانی زندگی پر کیا۔ اس طرح فرائیڈ معالج بھی ہیں، ماہر نفسیات بھی اور فلسفی بھی۔ مذہب کے بارے میں ان کے مذہبی نظریات کا آغاز تحلیل نفسی سے شروع ہوتا ہے اور ان کے مذہبی نظریات کو اسی پس منظر میں سمجھا جاسکتا ہے۔

فرائیڈ مذہب کو واہمہ قرار دیتے ہیں۔ دراصل مذہبی تصورات ان کے ذہن میں جڑ نہ پکڑ سکے۔ آخری عمر میں انہوں نے ”موسیٰ اور وحدانیت“ (Moses And Monotheism) کتاب لکھی جس میں یہودی مذہب پر اعتراضات کیے۔ یاد رہے کہ وہ خود یہودی تھے۔ وہ مذہب کی اس قوت کے مداح ہیں کہ مذہب کے زیر اثر اعلیٰ درجے کی تہذیب پروان چڑھتی ہے۔

فرائیڈ ٹوٹمیزم (Totemism) کو مذہب کی ابتدائی شکل قرار دیا ہے۔ قدیم تہذیبوں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ہر قبیلہ مظاہر فطرت میں سے کسی چیز خصوصاً کسی جانور کو اپنا امتیازی نشان چن لیتا پھر اسے اپنے لیے وجہ امتیاز سمجھتا اور سارا قبیلہ اس کا احترام کرتا۔ اسے ٹوٹمیزم کہتے ہیں۔ فرائیڈ کہتے ہیں کہ مذہب خاندانی تجربے سے اخذ ہوا۔ جس میں بے بس بچہ جابر باپ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ والد اسے ہر سہولت اور تحفظ دیتا ہے اور اس کے بدلے میں احترام چاہتا ہے۔ وہ خدا پر ایمان کو ایک بے بس بچے کی بے بسی قرار دیتا ہے۔ فرائیڈ نے مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا۔ اس کے مذہبی افکار نے یورپ اور امریکہ کے حلقوں کو متاثر کیا۔

رڈلف اوٹو

رڈلف اوٹو (Rudlf Otto) (25 ستمبر 1869ء - 6 مارچ 1937ء) بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ الہیات کے استاد، مذہبی مفکر اور تاریخ دان تھے۔ انھوں نے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے ابتدائی پچیس تیس سالوں میں جو کچھ تحریر کیا اس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جا رہے ہیں۔ اوٹو جرمنی کے شہر پیئن (Peine) میں پیدا ہوئے انہوں نے گوٹن جن (Göttingen) یونیورسٹی سے تعلیم پائی اور یہیں پڑھاتے رہے۔ اگرچہ وہ ملک کے قانون ساز ادارے کے رکن بھی رہے لیکن ان کی شہرت ان کے مذہبی افکار کی وجہ

سے ہے۔ ان کی ساری زندگی عیسائی الہیات اور دیگر مذاہب کی حقیقت اور مذہبی تجربے کی تفہیم میں مگزی۔

اوٹو کی مسیحیت کے علاوہ دیگر مذاہب میں دلچسپی اس قدر بڑھی کہ انہوں نے مذہبی تحقیق کے لیے ہندوستان، برما، چین، مصر، یروشلم اور دیگر کئی ممالک کے سفر کیے۔ انہیں ہندومت سے خصوصی دلچسپی رہی۔ اس لیے انہوں نے نہ صرف سنسکرت زبان سیکھی بلکہ اپنی کتاب ”باطنیت - مشرق و مغرب“ (Mysticism East And West) میں ہندومت اور مسیحیت کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا۔ انھیں ان اسفار کے دوران جو معلومات میسر آئیں ان سے انہیں دوسرے مذاہب کو سمجھنے میں مدد ملی۔

اوٹو نے کئی کتابیں تصنیف کیں لیکن ان میں سے داس ہیلنگ (Das Helinge) جس کا انگریزی ترجمہ (The Idea of The Holy) کے نام سے ہوا۔ اس میں مقدس ہستی کا تصور پیش کیا۔ یہ کتاب 1917ء میں شائع ہوئی۔ انہوں نے باطنی تجربے یا روحانی واردات کو مذہبی روایت کا مغز قرار دیا ہے۔ ان کے مذہبی نقطہ نظر کے مطابق مذہب میں روحانی تجربہ ہی مذہب کی جان ہے اور اس کے بغیر باقی سب ظاہری اعمال رسوم کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس باطنی تجربے یا روحانی واردات میں غیبی قوت کا احساس تو کیا جاسکتا ہے مگر اس کی تہہ تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ ان کے نزدیک یہ غیبی قوت پراسرار بھی ہے اور انسان پر اس کی ہیبت اور عرب بھی طاری ہوتا ہے جس کے نتیجے میں انسان میں عاجزی اور عقیدت جنم لیتی ہے۔ اوٹو کے یہ خیالات خدا پرستانہ مذاہب پر صادق آتے ہیں۔ دراصل اوٹو مذہبی تجربے کے غیر عقلی عناصر کو زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ انہوں نے مذہبی تاریخ پر بھی کام کیا ہے۔

اوٹو کے تصنیفی کام کی تحسین کرنے والوں میں پرنسٹن فرے کے علاوہ فلسفی اور مذہبی تاریخ دان شامل ہیں۔ ان میں ہر ایک کو اپنے کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔ زندگی کے آخری دس سالوں میں اوٹو نے چاہا کہ ماربرگ میں ایک عجائب گھر بنایا جائے جہاں مذاہب کا تقابلی جائزہ اس طرح لیا جائے کہ مردہ نوادہ کی بجائے زندہ عقائد واضح ہوں۔ مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ اوٹو 6 مارچ 1937ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

مشق

(الف) درج ذیل سوالات کے مفصل جوابات لکھیے۔

i۔ مذہب کی فلسفیانہ، سماجی اور نفسیاتی تفہیم کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

ii۔ درج ذیل شخصیات پر نوٹ لکھیے۔

(الف) سر جیمز جارج فریزر (ب) رڈلف اوٹو (ج) سگمنڈ فرائیڈ

(ب) مختصر جوابات لکھیے۔

1۔ مذہب کے لغوی معانی کیا ہیں؟

2۔ آسمانی مذاہب کو سمجھنا کیوں آسان ہے؟

3۔ ٹائیلر نے مذہب کی ابتدا کے بارے میں کس ثقافت پر تحقیق کی؟

- 4- ٹائیلر نے مذہب کی تعریف کن لفظوں میں کی؟
 5- جیمز فریزر کی معروف تصنیف کا نام کیا ہے؟
 6- سگمنڈ فرائیڈ نے کس معالج کے ساتھ مل کر ذہنی الجھنوں کے مریضوں کا علاج شروع کیا؟
 7- جیمز فریزر نے کس چیز کو ثقافتی ارتقا میں اہم خیال کیا؟
 (ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

- 1- رڈلف اوٹو نے میں دلچسپی لی۔
 (ا) ٹوٹی ازم (ب) ایٹی مزم (ج) علم بشریات (د) غیر مسیحی مذاہب
 2- ذرائع ابلاغ کی ترقی سے مذہب کو کچھنے کا رجحان
 (ا) بڑھ گیا (ب) کم ہو گیا (ج) ختم ہو گیا (د) معمول کے مطابق رہا
 3- اوٹو کے خیال میں مذہب میں کو مغز کا درجہ حاصل ہے۔
 (ا) عبادت (ب) باطنی تجربے (ج) عقائد (د) مذہبی تحقیق
 4- نے مذہب کے ارتقا کے بارے میں سائنسی انداز اپنایا
 (ا) سگمنڈ فرائیڈ (ب) رابرٹ سن سمٹھ (ج) رڈلف اوٹو (د) ٹائیلر
 5- نے مذہب میں جادو کو اہمیت دی۔
 (ا) ٹائیلر (ب) سر جارج جیمز فریزر (ج) رڈلف اوٹو (د) سگمنڈ فرائیڈ
 6- داس ہیلنگ کے مصنف کا نام ہے۔
 (ا) فریزر (ب) اوٹو (ج) فرائیڈ (د) ٹائیلر
 (د) کالم (الف) کا رابطہ کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دنیا کی بہت بڑی آبادی	مشترک مسائل	
داس ہیلنگ	فریزر	
ای بی ٹائیلر	آسمانی مذاہب	
ذرائع ابلاغ کی ترقی	اوٹو	
شارخ ذریعہ	روح پرستی	
	سگمنڈ فرائیڈ	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

- 1- سبق میں مذکور چار مفکرین میں سے ہر ایک کی تصویر، مختصر حالات زندگی اور مذہب کے بارے میں ان کا نقطہ نظر لکھ کر چارٹ بنائیں اور کمرہ جماعت میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

- 1- اگر آپ ادارے میں مذہبی عجائب گھر بنانا چاہیں تو کیا کیا چیزیں رکھیں گے۔ طلبہ کی آرا بھی شامل کریں۔
- 2- ای بی ٹیلر کی زندگی کے حسین ”اتفاق“ کو ذہن میں رکھ کر طلبہ کو چند ایسے واقعات سنائیں جن سے کسی شخصیت کی زندگی کا رخ بدل دیا ہو۔



مذہب پر معاشرے کے اثرات

مذہب ایک معاشرتی ادارہ ہے۔ ہم معاشرے کی تاریخ کا مطالعہ کریں، یا مذہب کی تاریخ کا جائزہ لیں، تو ہمیں ہر دور میں مذہب اور معاشرہ لازم و ملزوم نظر آتے ہیں۔ مذہب معاشرے کے مسائل حل کرنا چاہتا ہے اور اس میں مثبت تبدیلی لانا چاہتا ہے۔ اسی طرح جب معاشرے میں تبدیلی کا عمل شروع ہوتا ہے، تو لازمی طور پر اس کے اثرات مذہب پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔

قدیم دور میں بارہا ایسا ہوا، کہ ایک سلطنت یا ایک مخصوص آبادی میں عوام ایک مذہب کے پیروکار ہیں، لیکن والئی سلطنت نے مذہب تبدیل کر لیا۔ امرا اور سرداروں نے بادشاہ کی پیروی کی اور دوسرے لوگ بھی جوق در جوق اسی رنگ میں رنگے گئے۔ بظاہر تو ایک نیا مذہب معاشرے پر اثر انداز ہو رہا ہے، لیکن یہ معاشرتی تبدیلی دراصل پہلے مذہب پر اثر انداز ہوئی اور وہ کمزور ہو گیا اور بعض اوقات گردش زمانہ سے وہ مذہب ختم ہو گیا، یا اس قدر کمزور ہوا کہ اس کے ماننے والے چند افراد ہی رہ گئے۔ مذہب کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک مذہب کو کروڑوں لوگوں نے قبول کیا اور کچھ عرصہ بعد اس کے ماننے والے چند لاکھ رہ گئے۔

مذہب کے بانی نہ صرف اپنے مذہب کے بارے میں ہدایات دیتے ہیں، بلکہ وہ خود عمل کر کے بھی دکھاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اُن کے زمانے میں اُس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس مذہب پر عمل کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب بانی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے، تو افراد کے عمل میں کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ کئی معاشی اور معاشرتی عوامل مذہبی عقائد میں کمزوری پیدا کر دیتے ہیں اور مذہب کی گرفت کمزور ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ہوتا رہا کہ نئے مذہب نے پرانے کے اثرات کم کر دیے۔

کوئی بھی مذہب فطرت کے جس قدر قریب ہوتا ہے، اس کے اثرات اسی قدر دور رس اور دیر پا ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں، کہ الہامی مذاہب نے انسان کو نیک و بد سمجھا کر عمل کرنا فرد کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ اعمال کی جزا اور سزا کا معاملہ آخرت پر اٹھا رکھا ہے۔ کچھ لوگ مال و دولت کی حرص یا دوسری ترغیبات کی وجہ سے مذہب سے دور ہو جاتے ہیں۔ جب کہ کچھ لوگ عبادات میں مصروف رہتے ہیں اور دنیاوی معاملات میں مذاہب کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ جن مذاہب میں آخرت کا تصور موجود ہے۔ اُن کے پیروکاروں پر اُن مذاہب کے اثرات نسبتاً دیر پا ہوتے ہیں۔

مذہب پر معاشرے کے اثرات کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ مذاہب اچھے برے کی تمیز سکھاتے ہیں، مگر بعض اوقات انسان اپنی خواہشات کو مذہب کا نام دے دیتے ہیں اور مذہب کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلنا چاہتے ہیں۔ یوں رفتہ رفتہ عقائد بدلتے رہتے ہیں یہاں تک کہ مذہب کی صورت مسخ ہو جاتی ہے۔ یہ تو حالات کے مذہب پر اثر کی مثال ہے۔ مذہب بگاڑ کو سنوارنے اور مسائل کو حل کرنے میں مدد دیتا ہے لیکن یہ کمزور ہو جائے اور مسائل حل نہ ہو سکیں، تو کوئی تحریک اٹھتی ہے اور در عمل مذہب کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل مذہب عدل و انصاف پر زور دیتا ہے اگر ایسا نہ ہو، تو انصاف سے محروم لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بہت سی معاشرتی اقدار بھی بدل جاتی ہیں۔

آج جب کہ دنیا میں ذرائع ابلاغ نے بہت ترقی کر لی ہے، تو دنیا کے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ وسائل ابلاغ کے ذریعے معلومات کی

تیزی سے تریل نے افراد اور معاشروں میں تبدیلی کا عمل تیز کر دیا ہے۔ خاص طور پر ثقافتی میدان میں تبدیلی بہت واضح ہے۔ مذہب جو کسی قوم کی ثقافت کا کلیدی جزو ہوتا ہے۔ اکثر اوقات اس کی تعلیمات پر عمل درآمد پوری طرح نہیں ہو رہا ہوتا جس کی وجہ سے معاشرہ طاقت ور اقوام کے زوردار ثقافتی حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے آسانی سے تبدیلی کے عمل کا شکار ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور میں معاشی و معاشرتی نظریات، سائنسی انداز فکر اور نفسیاتی افکار نے دنیا کے مختلف معاشروں کو متاثر کیا اور آزاد خیالی کی لہر نے کمزور قوموں کو فکری انتشار سے دو چار کر دیا ہے۔

ماضی میں قوموں کے عروج و زوال کا یہ انداز بھی سامنے آتا رہا، کہ کسی قوم کا مذہب اوہام سے جو جمل ہو گیا یا اس کی مذہبی توجیہات یا خود مذہب ترقی کے فطری انداز میں حائل ہو گیا، تو وہ مذہب کمزور ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یا تو مذہب اور معاشرے کے لیے کوئی فکری اور نظریاتی تحریک اٹھی اور تظہیر کے بعد حالات کو درست کر دیا گیا، یا پھر کسی دوسرے مذہب نے اس معاشرے پر اثرات قائم کیے اور وہ معاشرے پر چھا گیا۔ جب لوگ نیا مذہب اختیار کرتے ہیں تو اپنی معاشرتی رسوم کو پوری طرح چھوڑ نہیں پاتے اور ایک مدت کے بعد وہ ریسن سرائٹا جی ہیں اور اس مذہب کو اصل حالت میں نہیں رہنے دیتیں۔

نیاپن، نئی باتیں سوچنا اور نئی چیزیں پسند کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، یہ بھی مذہب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اسلام بر عظیم میں آیا، بدھ مت پھیلا، جین مت نے اثرات قائم کیے لیکن کوئی مذہب بھی ہندو دھرم کے رسم و رواج کے اثرات سے نہ بچ سکا۔ بعض اوقات کسی نئے مذہب کو غیر موثر کرنے کے لیے حکومتیں اور قومیں سیاسی چالیں بھی چلتی ہیں۔

جب مذاہب کسی خاص خطے سے باہر نکلے تو ثقافت کی تبدیلی پائی۔ اب نئے معاشرے کی تعمیر نو (Reformation) میں دقتیں پیش آئیں۔ کہیں قبائلی نظام کے طرز حیات نے راستہ روکا اور کہیں پرانے مذاہب کی قدیمی روایات آڑے آئیں۔ اگر مذہب میں وسعت نظر اور کشش ہے تو وہ پھیلتا پھولتا جائے گا ورنہ ٹکراؤ کی شکل میں معاشرتی رسوم اور ثقافت مذہب کے پھیلاؤ میں رکاوٹ بنیں گی۔ الہامی مذاہب میں تو خدائے بزرگ و برتر نے جہاں اپنے بندوں کے ذریعے مذہب کو خیر بنا کر بھیجا وہاں کی ثقافت، ماحول اور جغرافیائی حالات کے مطابق احکام دیئے اور اس کے دیگر قوموں میں پنپنے کی محجاش اور چلک پزیری بھی رکھی۔ دیگر مذاہب بھی جہاں سے اٹھے اس کے مراکز وہیں اسی معاشرے میں رہے (ہندو مت کے تیرتھ ہند میں ہی ہیں)۔ مگر مسئلہ اس دھرتی سے باہر کا ہے جہاں آب و ہوا بدلتی ہے، خوراک بدلتی ہے، تو مذہب میں بدلتے حالات کے ساتھ بدل دینے کی محجاش رکھی گئی۔ جہاں اہل مذہب بعینہ ہوں وہاں مسائل پیدا ہوتے ہیں اور مذہب پر معاشرتی اثرات غالب آ جاتے ہیں۔

بعض اوقات معاشرتی ہوا و ایک اور رخ اختیار کرتا ہے اور وہ مثبت تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ جب مذہبی طبقے یا عوام مذہب کے بارے میں خدشات کا شکار ہوتے ہیں تو انھیں پھر سے خدا یاد آتا ہے۔ ان حالات کا اثر یہ ہوتا ہے، کہ وہ اپنے دین اور مذہب پر زیادہ سختی سے کار بند ہو جاتے ہیں۔ ظلم کا شکار مظلوم طبقہ اور زیادہ غلو ص نیت سے مذہب کی پابندی کرنے لگتا ہے۔ یعنی اصل کی طرف لوٹ آتا ہے۔ مختصر اکھا جا سکتا ہے کہ معاشرے اور مذہب کے باہمی عمل سے ایک دوسرے پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ صدیوں سے ایسا ہو رہا ہے اور یہ سب کچھ تاریخ میں محفوظ ہے۔

مشق

(الف) درج ذیل سوالات کے مفصل جوابات لکھیے۔

- 1- مذہب پر معاشرے کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟
- 2- قدیم اور جدید دور میں مذہب پر معاشرے کے اثرات کا فرق واضح کیجیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

- 1- ملک کے سربراہ کے مذہب تبدیل کرنے کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟
- 2- مذہب کے بانی کے بعد مذہب کی صورت حال میں کیا تبدیلی آتی ہے؟
- 3- عقیدہ آخرت سے کردار کیونکر متاثر ہوتا ہے؟
- 4- اپنی آرزوؤں کو مذہب کا نام دینے سے کیا ہوتا ہے؟
- 5- اہل مذہب اگر ضد کریں تو مذہب پر کیا اثر پڑتا ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1- معاشرے کے بااثر طبقے کے نئے مذہب کو قبول کرنے سے

- | | |
|---------------------------------------|---|
| (i) عوام پرانے مذہب پر ڈٹ جاتے ہیں | (ii) پرانا مذہب کمزور ہو جاتا ہے |
| (iii) پرانا مذہب بالکل ختم ہو جاتا ہے | (iv) عوام بھی نیا مذہب قبول کر لیتے ہیں |
- 2- معاشی اور سماجی عوامل مذہب کو..... کرتے ہیں۔

(i) کمزور (ii) توانا

(iii) ملیا میٹ (iv) غیر موثر

3- عدل اٹھ جائے تو

- | | |
|---------------------------------------|---------------------------------------|
| (i) مذہبی اقدار بدل جاتی ہیں | (ii) عوام میں سخت رد عمل پیدا ہوتا ہے |
| (iii) معاشرتی اقدار تبدیل ہو جاتی ہیں | (iv) الف، ب، ج |
- 4- نیا مذہب اختیار کرنے کے بعد لوگ

- | | |
|---|---------------------------------|
| (i) پرانی مذہبی روایات بھول جاتے ہیں | (ii) معاشرتی ریسں چھوڑ دیتے ہیں |
| (iii) نئی اور پرانی رسوم ایک ساتھ چلتی رہتی ہیں | (iv) کوئی بھی نہیں |

(د) صحیح جملے کے سامنے ص اور غلط کے سامنے غ لگائیے۔

- 1- مذہب ادہام کا شکار ہو تو معاشرہ ترقی کرنے لگتا ہے۔
- 2- الہامی مذاہب ایک دوسرے کے متضاد نظریات رکھتے ہیں۔
- 3- اگرچہ جدت پسندی انسان کی فطرت ہے۔ مگر مذہب پر اثر انداز نہیں ہوتی۔
- 4- مذہب کی قوت جاذبہ اس کے لیے مفید ہوتی ہے۔
- 5- معاشرے کے قبائلی نظام تبدیلی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

(ه) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

- 1- مذہب پر اثر انداز ہونے والے عناصر کی ایک فہرست مرتب کریں۔ اثر کے لحاظ سے ان کی درجہ بندی کریں اور خوش خط لکھ کر مکرمہ جماعت میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

- 1- مختلف مذاہب پر اثر انداز ہونے والے عناصر اور عوامل سے طلبہ کو آگاہ کریں۔
- 2- سوال و جواب کی نشست میں طلبہ کو بتائیں کہ الہامی مذاہب پر حالات کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟



وحدتِ ادیان کا تصور

مذہب کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی دور مذہب کے وجود سے خالی نہیں رہا۔ نیز مذہب نے انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اگر بغور دیکھا جائے تو یہ مذہب ہی ہیں جو انسانی زندگی کو با معنی بناتے ہیں۔ آج بھی کروڑوں انسان مذہبی ہدایات پر صدقِ دل سے یقین رکھتے ہیں اور ان ہدایات پر عمل پیرا ہو کر نجات کے لیے پر امید ہیں۔ دنیا میں پائے جانے والے مذہبی نظریات میں باہمی فرق موجود ہے، لیکن یہ سارے مذہب انسان کو مساوات، ہمدردی، خدمتِ خلق، دیانتداری اور دیگر بہت سی اخلاقی تعلیمات دیتے ہیں۔ ان مختلف مذہب میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔

تمام بڑے مذہب کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کی رہنمائی کے لیے پیغام بھیجے۔ انھیں صحیفے دیے۔ ان رسولوں اور نبیوں نے ان ہدایت ناموں کی روشنی میں عمل کے ذریعے قوموں کی رہنمائی کی۔ مختلف زمانوں میں جو نبی آئے، انھوں نے قوموں کو جو تعلیمات دیں، ان کا تفصیلی مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر ایک تھیں، لیکن ان میں قوموں کی ثقافتی اور سماجی زندگی اور جغرافیائی حالات کے حوالے سے کچھ فرق بھی تھا۔ ان تعلیمات کا مرکز اور اساس ایک ہی ہے۔ توحید ان سب میں قدر مشترک ہے۔ اسی لیے قدیم ادوار سے عصرِ حاضر تک انسانی رہنمائی کی بنیاد یہی ایک چلی آ رہی ہے۔

واضح رہے کہ الہامی مذہب تو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ زمانے کی ضروریات پوری کرنے اور معاشرتی بگاڑ درست کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف پیغمبر بھیجے۔ غیر الہامی مذہب کی بہت سی اقدار سرِ اخلاقی ہیں۔ جھوٹ سے بچنا، دوسروں کی حق تلفی نہ کرنا، عبادات میں باقاعدگی، دیانتداری، خدمتِ خلق وغیرہ پر سب ہی مذہب زور دیتے ہیں۔ گویا مذہب کی بہت سی اقدار میں یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔

اس کی توجیہ یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ خارجی حقائق کے حوالے سے یہ مذہب الگ الگ نظر آتے ہیں۔ اعتقادات کی دنیا میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔ ان کے طریقہ ہائے عبادت بھی ایک دوسرے سے کم کم ملتے ہیں۔ ان کے ثقافتی مظاہر بھی یکساں نہیں، لیکن اندر سے ان کی سمت ایک ہے۔ وہ اعتقادات جن کا تعلق ماورائیت سے ہے۔ ان کے حوالے سے یہ مذہب کم از کم ایک بڑی بنیادی حقیقت پر متحد ہو جاتے ہیں اسے ہی وحدتِ ادیان (Transcendental Unity of Religion) کہا جاتا ہے۔ وحدتِ ادیان ہی انسانی مساوات اور باہمی انسانی تعاون کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

در اصل تمام الہامی مذہب کی اصل ایک ہے۔ ان کے تصورات اور تعلیمات میں عصری تقاضوں کا خیال رکھا گیا ہے، کیوں کہ وہ مختلف زمانوں میں روشناس کرائے گئے۔ وہ روئے زمین پر ایک دوسرے سے مختلف فاصلوں پر رہنے والوں کے جغرافیائی خطے میں نازل کیے گئے مگر ان سب کی تعلیمات کا سرچشمہ ایک ہے۔ ان مذہب کا ذریعہ علم بھی ایک رہا ہے۔ انھوں نے جن صدائقوں کے تسلیم کرنے پر زور دیا وہ زمانے اور فاصلے کے بعد کے باوجود ایک ہیں۔ ہزاروں سال کے فاصلے کے بعد بھی الہامی مذہب کی تعلیمات کے نتائج میں مماثلت

پائی جاتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ کسی مردہ نے بغاوت کی یا بنیادی تعلیمات میں اپنے پاس سے خارجی تصورات شامل کر دیئے تو مذاہب کی شکل بدل گئی اور اگر وہ توہمات کا شکار ہوا تو نتائج بھی مختلف نکلے مگر ان مذاہب کی بنیاد ایک خدا کی عبادت اور اس کی واحدانیت ہی رہی۔ جب مذاہب کی بنیاد ایک ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ مختلف خطوں میں آنے والے پیغام ہر ایک ہی پیغام لائے خواہ ان کا تعلق عرب، مصر اور ایران سے تھا یا جاپان، چین، ہندوستان، یورپ اور افریقہ سے یا دنیا کے کسی اور خطے سے، وہ ایک اعلیٰ ذات کے پیدا کردہ تھے۔ ارسطو نے بھی ایک فلسفیانہ تصور دیا۔ اس کے مطابق ایسی حقیقت جو مطلق نیکی یا فضیلت کے بارے میں ہے اس کا بیان کرنا آسان نہیں۔ البتہ وجدان سے اسے سمجھا جاسکتا ہے۔ ارسطو سے متاثر ہو کر مابعد کے فلاسفہ نے اس برتر حقیقت کو خدا کا نام دیا اور اسے فطرت (Nature) سے برتر کہا ہے اور اس کو یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

- 1- مذاہب کے ماورائی اتحاد سے کیا مراد ہے؟
- 2- مذاہب کے مقاصد میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بحث کیجیے۔
- 3- بڑے بڑے مذاہب کے بنیادی عقائد ایک ہیں۔ واضح کیجیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیے۔

- 1- مذاہب انسانی زندگی کو کیسے بامعنی بناتے ہیں؟
- 2- مذاہب کی پانچ مشترک باتیں کون کون سی ہیں؟
- 3- مذاہب ایک دوسرے سے کن باتوں میں مختلف ہیں؟
- 4- اختلافات کے باوجود مذاہب کی کون سی بنیاد ایک ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

- 1- تمام پیغام بروں اور نبیوں کی تعلیمات.....

(ا) بظاہر ایک جیسی تھیں (ب) ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں

(ج) بالکل ایک جیسی تھیں (د) بنیادی عقیدہ اور اقدار ایک جیسی تھیں

- 2- مذاہب میں ایک قدر مشترک ہے۔

(د) نیکی

(ج) اقدار

(ب) رسالت

(ا) توحید

3- الہامی اور غیر الہامی مذاہب میں..... میں یکسانیت موجود ہے۔

(ا) عقیدہ توحید (ب) عبادات (ج) اخلاقی اقدار (د) عبادات اور اقدار

4- خارجی حقائق کے اختلاف کے باوجود ایک بنیادی حقیقت..... پر سب متحد ہیں۔

(ا) ماورائیت (ب) اصل (ج) وحدت ادیان (د) ذریعہ علم

(د) خالی جگہ مکمل کریں۔

1- الہامی مذاہب کی..... ایک ہے۔

2- اکثر مذاہب کی تعلیمات کا..... ایک ہے۔

3- مذاہب کی تعلیمات کے نتائج میں..... پائی جاتی ہے۔

4- ارسطو کے مطابق مطلق نیکی کو..... کے ذریعے ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

5- مختلف مذاہب کا ذریعہ علم..... ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1- کتاب خانے جا کر مختلف مذاہب کی کتابوں سے وحدت ادیان کے بارے میں مطالعہ کریں۔

2- ایسے نکات نوٹ کریں جو وحدت ادیان کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1- طلبہ سے الہامی مذاہب کی مشترک نکات کی فہرست تیار کروائیں۔

2- الہامی اور غیر الہامی مذاہب کی مشترک اخلاقی اقدار کا چارٹ تیار کروائیں۔



مذہب اور سائنس

صدیوں پہلے کسی چیز کی قدر و قیمت کے تعین کے لیے انسان مشاہدے سے کام لیا کرتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسانی شعور نے ترقی کی تو تجربات کیے جانے لگے۔ سائنس کی طرف پیش قدمی جاری رہی، لیکن حقائق کو ترتیب دے کر باقاعدہ نتائج اخذ کرنا بعد کی بات ہے۔ یونان میں سائنس کی بجائے فلسفے سے علمی نظریے قائم کیے جاتے رہے۔ انسانوں میں کچھ اور بیدار پیدا ہوئی تو حقائق تک رسائی کا موجودہ سائنسی طریق اختیار کیا گیا۔ اب کسی مسئلے کے حل کے لیے پہلے مفروضے قائم کیے جاتے ہیں، غور و فکر اور مشاہدات کے بعد اعداد و شمار اکٹھا کر کے تجربات کیے جاتے ہیں اور تجربات کی کامیابی پر انہیں بار بار دہرا کر اصول بنائے جاتے ہیں۔ یہ سائنسی طریقہ کار ہے اور آج کے دور میں یہ حصول علم کا ایک اہم ذریعہ بن چکا ہے۔ گذشتہ صدی میں سائنسی انداز فکر کے بعد یہ سوال شدت سے اٹھایا گیا، کہ کیا مذہبی حقائق تک رسائی سائنس کے ذریعے ممکن ہے؟ بلکہ ایک طبقے نے زور دیا، کہ تجربے اور مشاہدے کی کوئی پر جو کچھ پورا ترے اسے مان لیا جائے اور باقی رد کر دیا جائے۔

کیا مذہب میں یہ سب کچھ ممکن ہے؟ کیا مذہب اور سائنس میں تضاد ہے اور یہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ کیا کوئی ذریعہ علم ایسا ہے جو تجربے کا بدل ہو سکتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو انیسویں صدی میں سائنس ترقی کے بعد پہلے مغرب میں بعد ازاں ساری دنیا میں اٹھائے جانے لگے۔ مذہب کا تعلق صرف زمینی حقائق سے نہیں، بلکہ مابعد الطبیعیات سے بھی ہے۔ اس میں ایمان بالغیب اور اعتقادات کی بات ہوتی ہے اور اس کو سائنس کے ذریعے ثابت کرنا ممکن نہیں۔ ماورائی حقائق تک رسائی کا ذریعہ وحی ہے جس کے ذریعے خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے یہ علم دیتا ہے اور تمام الہامی مذاہب میں حصول علم کا یہ ذریعہ مسلم ہے۔

زندگی کے حقائق جاننے اور دینی علوم کے ادراک کا ایک ذریعہ عقل انسانی ہے، مگر ماورائی حقائق تک اس کی رسائی نہیں ہے، البتہ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ معقول اور غیر معقول امور میں تمیز کرتی ہے۔ وحی کے سلسلے میں عقل صرف قرین عقل یا قابل قبول ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فیصلہ دیتی ہے۔ اقبال نے اپنے فلسفیانہ مباحث میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔

”یہ امر قابل غور ہے، کہ قرآن مجید اپنے متبعین میں حقیقت نفس الامری کا احترام پیدا کرتا ہے۔ اسی چیز نے آگے چل کر انہیں (مسلمانوں کو) جدید سائنس کا بانی بنایا۔ ایک ایسے دور میں جب کہ معرفت الہی کے لیے مشاہدات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی، یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ مشاہدات و تجربات کے ذریعے عرفان حق پیدا کیا جائے۔“ (تفکیر الہیات جدیدہ، ص ۱۸)

سائنس اور مذہب کے حوالے سے ایک گروہ کا خیال ہے، کہ مذہب ہدایت، رہنمائی اور نجات کے لیے ہے۔ آسمانی کتب اور صحیفے رہنما اصول مہیا کرتے ہیں۔ جب کہ سائنس انسان کو سہولیات دیتی ہے اور اپنے علم کے حتمی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی۔ اس کے حقائق، تجربات اور مشاہدات کے باوجود بدلتے ہیں۔ اسی لیے یہ حتمی ذریعہ علم نہیں۔ جب کہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے، کہ نظام فطرت سے سائنس جس طرح پردہ اٹھا رہی ہے اس سے سائنسی قوانین فطرت کو آشکار کر کے مذہبی حقائق کی تصدیق کر رہے ہیں۔ اس طرح وہ مذہب کی شارح بن رہی ہے۔ اس سلسلے میں ایک سائنس دان ایور کا کہنا ہے کہ مذہب کی جانی دشمن کے طور پر جنم لینے والی سائنس آشکارا اس کی عاجز

ترین خادمہ بن گئی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ سائنس کیا ہے کا جواب دیتی ہے اور مذہب کیوں کا۔ بلکہ اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ سائنس جزوی صداقت کا اعلان کرتی ہے۔ مثلاً یہ قانون فطرت ہے کہ چیزیں ٹھنڈی ہو کر سکڑتی ہیں جب کہ پانی برف بن کر پھیلتا ہے۔ یہ سائنس کی تجربہ شدہ حقیقت ہے۔ اب سائنس کہتی ہے کہ یہ پانی کی خاصیت ہے۔ مذہب اس معاملے میں کیوں ہے کا جواب دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ پانی کی اس خاصیت کے نتیجے میں خالق نے اپنی آبی مخلوق کی بقا کی ضمانت دی ہے۔

مذہب کے احکام دراصل تجربیاتی رپورٹ نہیں ہوتے، بلکہ وہ صرف نوع انسان کے لیے ہدایت کا درجہ رکھتے ہیں۔ مذہب کہتا ہے کہ دودھ کا استعمال مفید ہے، شہد میں شفا ہے یا فلاں کام نہ کیا جائے۔ سائنس تجزیہ کر کے بتاتی ہے کہ دودھ اور شہد کے صحت مند عناصر اور پہلو کون کون سے ہیں۔ اس بات کا جائزہ بھی ممکن ہے کہ جس بڑے کام سے روکا جا رہا ہے اس کے طبی یا نفسیاتی نقصانات کیا ہیں؟ دراصل مذہب کی ہر بات کو سائنس کی کسوٹی پر پرکھنا تو ممکن نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے جو معقول اور غیر معقول امور میں تمیز کرتی ہے۔ ایک اخلاقی جس بھی انسان میں موجود ہے جو نیک و بد میں فرق کا شعور دیتی ہے۔ اسی طرح ایک روحانی جو ہر بھی انسان میں موجود ہوتا ہے۔

جب بظاہر نظر آنے والی چیزوں یا واقعات کے اسباب نامعلوم ہوں تو عقل سے کام لیا جاتا ہے۔ انسانی عقل و شعور ہی سے عقلی استدلال (Reasoning) ممکن ہوا۔ مذہب میں بھی یہ اہمیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر مذہب کی ابتدا کے بارے میں کئی نظریے ہیں اور کئی دعوے اور بہت سے مدعی ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات اور انسان کا خالق خدا تعالیٰ ہے۔ اس دعوے کے مدعی مختلف سرزمینوں سے اس دعوے کو وقفے وقفے سے دہراتے رہے۔ عقل ایسے دعوے کو قبول کرتی ہے۔ اسی طرح موت کے بعد زندگی کے بارے میں عقل اس بات کو تسلیم کرے گی کہ دنیا میں اچھے برے اعمال کی کامل جزا سزا ممکن نہیں تو پھر کہیں تو انصاف ضروری ہے۔ گویا مذہبی معاملات میں Reasoning کا جواز موجود ہے۔

محققین میں سے میکس ملر (Max Muller) کا خیال ہے کہ مذہب کے مظاہر کا احتیاط سے معائنہ کیا جائے۔ سائنسی انداز میں مفروضوں کا جائزہ لیا جائے اور گواہی (Evidence) کی بنا پر صحیح اور غلط کا فیصلہ کیا جائے تو مذہب کی وضاحت ممکن ہے۔ تاریخی تحقیق سے مذاہب کے ابتدائی تصورات اور اعمال کا کھوج لگایا جاسکتا ہے۔ ٹیلر نے ملر کے اس نظریے ”مذہبی سائنس“ (Science of Religion) کی تائید کی ہے۔ البتہ ملر نے یہ اعتراض بھی کیا کہ اس سے لانا ڈرنی (یہ عقیدہ کہ خدا کی حقیقت کوئی نہیں پاسکتا) کو تقویت ملے گی۔ دراصل مسئلہ مذہب تک سائنس کے ذریعے رسائی میں مشاہدے کے عقلی طریق (Empirical Method of Observation) اور مفروضوں کی تصدیق کا ہے۔ یہ مذہبی مظاہر وسیع اور گہرے ہیں۔ ان کے مطالعے کے لیے بڑی توجہ، بے تعصب تحقیق اور مختلف زاویوں سے تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ بعض اوقات کچھ سائنس دان اس گہرے تجربے سے نہیں گزرتے۔

میری کیننگھم (Mary Kathileen Kinningham) نے بھی سائنس اور مذہب کا جائزہ لیا ہے۔ اس زاویے سے کہ اعداد و شمار اور نظریات سائنس کے اہم جزو ہیں اور مذہب میں بھی ایسا ہی ہے۔ سائنس میں خصوصی مشاہدہ اور تجرباتی اعداد و شمار کا طریقہ، لیکن اور طر کے عہد سے رائج ہے۔ بات مشاہدے سے شروع ہوتی ہے اور اعداد و شمار میں دیے گئے انداز سے جو صورتیں نظر آتی ہیں ان کی عمومیت

سے نظریہ بنایا جاتا ہے۔ اس انداز فکر پر تنقید کرتے ہوئے چار معیارات ضروری قرار دیے گئے ہیں۔

- 1- اعداد و شمار کے ساتھ مشاہدات کی مطابقت
- 2- ایک نظریے کی دوسرے نظریات سے مطابقت
- 3- جامعیت اور عمومیت
- 4- مستقبل کی تحقیقات کے لیے ڈھانچے کی گنجائش

مذہب میں اعداد و شمار مذہبی تجربات ہیں، جن میں تصورات و عقائد کا ایک ضابطہ ہے۔ یہ تخلیقی تخیل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ تجربات کی بنیاد پر عقائد کو پرکھا نہیں کیا جاسکتا۔ کہانیاں اور رسوم دوسرے مسلمہ عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔ مذہب ظاہری مفاجیم میں سائنس ہونے کا دعویٰ نہیں۔ البتہ سائنس کے اندر دریافت کی روح کو کسی حد تک ظاہر کر سکتا ہے۔ علم کی حدود وسیع ہو رہی ہیں اور انسانی شعور بھی مسلسل ترقی پذیر ہے۔ سائنس نے تحقیق کو وسعت دی ہے۔

مذہب اور سائنس کے میدان عمل الگ بھی ہیں، ایک بھی اور کہیں ایک دوسرے کے میدان عمل میں دخل (Overlapping) بھی ہیں۔ البتہ بنیادی فرق یہ ہے کہ سائنس اپنی ہی تحقیقات کو مزید تحقیقات کے بعد بدل دیتی ہے جب کہ مذاہب کے دیے گئے تصورات دائمی اور غیر متبدل ہیں۔ اس کی وضاحت ایک دو مثالوں سے ہو جاتی ہے۔

نظام شمسی کے بارے میں یونانیوں کے دور سے یہ نظریہ قائم رہا ہے کہ زمین ساکن ہے اور سورج، چاند اور دیگر اجرام فلکی اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے آغاز میں کوپرنیکس، گلیلیو اور کپلر وغیرہ نے سورج کو ساکن اور زمین کو متحرک قرار دیا۔ جب کہ بیسویں صدی میں آئن سٹائن اور دیگر سائنس دانوں نے زمین، سورج اور دیگر اجرام فلکی کو متحرک قرار دیا۔ مذہب مثلاً قرآن مجید میں چودہ صدیوں سے اجرام فلکی کو متحرک قرار دیا ہے۔ (سورۃ 36 آیت 40)

اسی طرح ڈالٹن نے ایٹمی نظریہ پیش کیا اور بتایا کہ ایٹم ناقابل تقسیم ہے اور بعد میں جے جے تھامسن اور ردرفورڈ نے اسے قابل تقسیم قرار دیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ایٹم کے مرکزہ میں الیکٹرون دریافت کیا گیا جب کہ 1932ء میں جم چیڈوک نے نیوٹران دریافت کر کے اور ہارزن برگ نے تجربات کے بعد الیکٹران کے نیوکلیئس میں نہ ہونے کی تصدیق کر دی، جدید نظریے کے مطابق مرکزہ میں نیوٹران اور پروٹان ہیں جب کہ الیکٹران اس کے گرد مخصوص دائروں میں موجود ہیں۔

ہو سکتا ہے تحقیقات اور دریافت کے طویل سلسلے کے بعد سائنس مزید تحقیقات کے بعد Refine ہو کر مذہب کے اور قریب آ جائے لیکن فی الحال مابعد الطبعیات سائنس کا میدان نہیں ہے۔

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

- 1- سائنس اور مذہب کے تعلق پر نوٹ لکھیں۔
- 2- (الف) میکس ملر کی تحقیقات کا جائزہ پیش کریں۔
- 3- میری کیتھلین کنگھم کی سائنس اور مذہب کے بارے میں آرا پیش کریں۔
- (ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

- 1- چیزوں کی قدر و قیمت کا قدیم طریقہ کیا تھا؟
- 2- سائنسی تحقیق کے چار اہم اقدامات کیا ہیں؟
- 3- مذہب کا ماورائی تصور کیا ہے؟
- 4- مذہب میں حصول علم کا سب سے اہم ذریعہ کیا ہے؟
- 5- سائنس دان الیور کا سائنس کے بارے میں کیا قول ہے؟
- 6- آثار کے اسباب معلوم نہ ہوں تو حقائق کس ذریعے سے معلوم کرتے ہیں؟
- (ج) درج ذیل سوالوں کے درست جواب پر نشان (✓) لگائیے۔

1- انسانی شعور کی ترقی کے بعد..... کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا۔

(الف) مشاہدے (ب) تجربات (ج) فلسفے (د) تصوف

2- موجودہ سائنسی طریق کار..... صدی میں پیدا ہوا۔

(الف) اٹھارھویں (ب) انیسویں (ج) بیسویں (د) اکیسویں

3- مذہبی علوم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

(الف) عقل انسانی (ب) مشاہدات (ج) وحی (د) وجدان

4- مذہب کا بڑا مقصد ہے؟

(الف) سکون (ب) آسودگی (ج) نجات (د) مشاہدہ ذات حق

5- مذہب میں اعداد و شمار ہیں۔

(الف) مذہبی تجربات (ب) کہانیاں اور رسوم (ج) تصورات (د) کچھ بھی نہیں

(د) صحیح اور غلط کی نشان دہی کریں۔

- 1- سائنس کے اندر دریافت کی روح کو مذہب ایک حد تک دریافت کر سکتا ہے۔
- 2- میکس ملر سائنس کے ذریعے مذہبی حقائق کی دریافت کا قائل ہے۔
- 3- مذہبی حقائق کا تعلق نجات اور ہدایت سے ہوتا ہے۔
- 4- مذہبی اعتقادات کی تصدیق سائنسی تجربات سے ممکن ہے۔
- 5- سائنس قوانین فطرت کو آشکارا کر کے مذہب کی تصدیق کر رہی ہے۔

(ه) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

- 1- ایسے عقائد کی فہرست تیار کریں جن کی تصدیق سائنس سے ممکن نہیں۔
- 2- دو گروہ بنا کر ایک مباحثہ کریں کہ سائنس اور مذہب میں ٹکراؤ نہیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

- 1- طلبہ کو ان مذہبی حقائق سے آگاہ کریں جن کی سائنس تصدیق کر رہی ہے۔

